فہمِ قرآن

رسولؐ کا مقام

مرتبہ : ڈاکٹر احسان الحق

یا یّھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم○

(الحجرات ۴۹ : ۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

الجامع لاحکام القران : محمد بن احمد قرطبیؒ

۱۔ اہلِ عرب (صحرائی بودوباش کے باعث) درشت طبیعت اور اکھڑ مزاج تھے۔ لہٰذا وہ عام لوگوں کو مخاطب کرنے اور سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے میں سوءِ ادب کے مرتکب ہوتے تھے۔ لہٰذا اس سورہ میں اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور ادب ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لا تقدموا کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے کسی قول و فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر مقدم نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے تجاوز اور پیش قدمی، اللہ کے حکم سے تجاوز اور پیش قدمی کے مترادف ہے۔

۲۔ اس آیت کی شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں :

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ انھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بتایا کہ جب بنو تمیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ قعقاع بن معبد کو امیر بنایا جائے۔ جب کہ حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کے لیے رائے دی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا : ما اردت الا خلا فی' آپ نے تو صرف میری مخالفت چاہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ بحث و تکرار بڑھی، یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہو گئی، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳ - ماوردی نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے چوبیس افراد پر مشتمل ایک سریہ بنو عامر کی طرف بھیجا۔ بنو عامر نے تین کے سوا سب کو قتل کر دیا۔ یہ افراد جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے انھیں بنو سلیم کے دو افراد ملے۔ کیونکہ بنو سلیم کا بنو عامر سے تعلق تھا' چنانچہ انھوں نے ان کو قتل کردیا (جب کہ مسلمانوں کا بنو سلیم سے امن کا معاہدہ تھا)۔ پھر جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورت حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: تم نے بہت بُرا کیا' وہ بنو سلیم سے تھے جن کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے۔ پھر آپؐ نے ان دونوں کی دِیت ادا کی --- تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو سے روکا گیا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں کسی معاملہ میں اپنی طرف سے فتویٰ صادر نہ کرو' جب تک اللہ اور اس کا رسول ازخود اس معاملہ میں فیصلہ نہ دے دیں۔ اِمام بخاریؒ کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جنھوں نے عیدالاضحیٰ کو دوگانہ عید ادا کرنے سے پہلے قربانی کر دی تھی' تو آپؐ نے انھیں دوبارہ قربانی کا حکم دیا --- یہ سب روایات صحیح ہو سکتی ہیں اور آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ مگر آیت ان اسباب کے بغیر نازل ہوئی تو بھی درست ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حکم میں کسی خاص واقعہ کی محتاج نہیں ہے (ج ۱۵' ص ۳۰۰ - ۳۰۳)۔

رُوح المعانی : محمود آلوسیؒ

مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے' اور اس سے مراد ہر قول میں رسولؐ سے سبقت لے جانے کی نہی ہے' یعنی'

۱ - جب آپؐ کی مجلس میں ہوں تو کسی استفسار میں آپؐ سے پہلے جواب دینے میں سبقت نہ کی جائے۔

۲ - آپؐ کی مجلس میں ضرورت پڑنے پر ہی حاضری دی جائے۔

۳ - کھانا شروع کرتے وقت آپؐ کا انتظار کیا جائے اور جلدی نہ کی جائے۔

۴ - ہر معاملہ میں آپؐ کی کامِل پیروی کی جائے (ج ۲۶' ص ۱۳۱)۔

مفاتیح الغیب: امام فخرالدین رازیؒ

سابقہ سورۃ الفتح کی مناسبت سے اس سورہ کا آغاز اپنے اندر حسنِ ترتیب کا اعجاز لیے ہوئے ہے۔ سابقہ سورہ میں سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے ارشاد کیا گیا کہ یہ وہ رسول ہیں جو دین کو غالب کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں' جو اہلِ ایمان کے لیے نہایت رحم کرنے والے واقع ہوئے ہیں' لہٰذا ایسی ہستی حد درجہ احترام کی مستحق ہے۔ سابقہ کُتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کا اور ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر کرنا' ان کی عظمت اور بلندیِ مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔ ایک عظیم بادشاہ کسی ذات کی خوبیوں کا ذکر اسی وقت کرتا ہے' جب وہ واقعی اس کے ہاں محترم ہو۔ لہٰذا اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خود خالقِ دو جہاں کی بارگاہ میں محترم ہے' لہٰذا تم کوئی ایسا عمل یا ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اس احترام کو ٹھیس پہنچے' اور تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں۔

اس آیت کے سببِ نزول میں متعدد روایات ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ شک کے روزے' بعض کے نزدیک نماز عید سے قبل قربانی' اور بعض کے نزدیک ایک گروہ کے کثرتِ سوال کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک اِرشادِ عام ہے جس کا اِطلاق ہر نفی واثبات' ہر پیش قدمی و ہٹ دھرمی پر ہوتا ہے' جو کسی معاملہ میں مشاورت کے بغیر اختیار کی جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد نِکات قابل توجہ ہیں۔

۱- اس آیت میں مفعول کو حذف کیا گیا (کہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو۔ چیز مذکور نہیں ہے)۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ فلاں تو بہت دینے والا ہے اور فلاں روک کر رکھنے والا ہے۔ اس سے مراد کوئی معین چیز نہیں ہوتی بلکہ محض صفت عطا اور بُخل کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت مذکورہ میں مراد یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں کسی بھی قسم کی پیش قدمی مت کرو۔

۲- **لَا تُقَدِّمُوْا** کو (ایک قرات کے مطابق) **لَا تَقَدَّمُوْا** پڑھنے سے مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو بارگاہ رسالت میں مُقدّم مت ٹھہراوَ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: **فلان تقدم بین الناس** کہ فلاں شخص لوگوں میں آگے بڑھ گیا۔ یعنی وہ نمایاں ہو گیا۔ اور اس کا مقام اونچا ہو گیا لہٰذا بارگاہِ نبوی میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا اور اپنی رائے کو مُقدّم ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

۳ - بَیْنَ یَدَی (حضورؐ کے سامنے) کے الفاظ قائل کی رفعتِ شان کو نمایاں کرتے ہیں کہ حکم دینے والا اور جس کے لیے حکم دیا جا رہا ہے' کتنے عظیم المرتبہ ہیں' جب کہ مخاطب ایک فرماں بردار غلام ہے' جو آقا کی مجلس میں نظر نہیں اٹھا سکتا' اپنے ہاتھوں اور سر کو جنبش نہیں دے سکتا' جو اپنے اعضا و جوارح پر قدرت کے باوجود اپنے آپ کو اپنے مالک کے سپرد کیے ہوئے ہے' کہ وہ جو سلوک چاہے اس کے ساتھ روا رکھے۔ ایسا غلام اپنے آقا کے حکم سے تجاوز اور پیش قدمی کیسے کر سکتا ہے ؟

۴ - وَاتَّقُوااللّٰہ ارشاد فرما کر واضح کیا گیا کہ بارگاہِ الٰہی و بارگاہِ نبوت میں اطاعت و انقیاد اور سپردگی کی یہ کیفیت تقویٰ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ وہ جو (بین یدی کے تقاضا کے تحت) گرے پڑے سامان کی طرح اپنے آپ کو بارگاہِ الٰہی میں ڈال دے وہ تقویٰ کی اس کیفیت سے ہمیشہ اپنے آپ کو سرشار رکھے۔

۵ - اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ارشاد فرما کر گزشتہ مضمون کی تاکید فرمائی گئی۔ وہ اللہ جو تمہیں تمہارے ایمان کے حوالہ سے پکارتا ہے' وہ تمہارے اقوال و افعال اور دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تمہارے قول و فعل اور ضمیر کی آواز میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری سماعتیں آمَنَّا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا سے گونجتی رہنی چاہئیں' اور تمہارے اَعمال' اَحکام رسول کی کامل اطاعت کے آئینہ دار ہوں۔ تمہارا نہاں خانہ ایک ہی جذبہ سے مملو ہو اور وہ تقویٰ ہو"۔ (الجزء السابع' ص ۵۸۱۔ ۵۸۲)۔

تفسیر المراغی : احمد مصطفیٰ المراغیؒ

اس آیت کی تفسیر اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبیؐ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے تو آپؐ نے ان سے پوچھا "تم کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟" انھوں نے عرض کیا" کتاب اللہ کے مطابق"۔ آپؐ نے پوچھا "اگر اللہ کی کتاب میں کسی معاملہ کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے؟" انھوں نے کہا "سُنّتِ رسول اللہ کی طرف"۔ آپؐ نے فرمایا "اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے؟" انھوں نے عرض کیا "پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔" اس پر حضورؐ نے ان کی سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسول کو پسند ہے" (رواہ احمد' ابوداؤد' ترمذی)۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے مُوخر رکھا۔ اگر وہ اپنی رائے کو مُقدّم ٹھہراتے تو اس آیت کی رو سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے پیش قدمی کرنے والے ٹھہرتے (ج ۲۵ - ۲۷، ص ۱۲۱)۔

معارفُ القرآن : مفتی محمد شفیعؒ

ان آیات کے نزول کے متعلق روایاتِ حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں کیونکہ وہ سب واقعات مفہومِ آیات کے عموم میں داخل ہیں۔

بَیْنَ الْیَدَیْنِ کے اصل معنی دو ہاتھوں کے درمیان کے ہیں، مراد اس سے سامنے کی جہت ہے۔ یعنی رسول اللہؐ کے سامنے تقدم اور پیش قدمی نہ کرو۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر آپؐ چل رہے ہیں تو کوئی آپؐ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپؐ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے، مگر یہ کہ آپؐ کی تصریح یا قرائن قویّہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپؐ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں، جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

(معارف القرآن، ج ۸، ص ۱۰۰)

تدبّر قرآن : امین احسن اصلاحی

یہ امر واضح رہے کہ یہاں ممانعت اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے میں پہل کرنے یا اپنی رائے کو اللہ اور رسول کے حکم پر مقدم کرنے کی ہے، نہ کہ رسول کے سامنے مجرد اپنی کوئی رائے پیش کرنے کی۔ نبیؐ امورِ مصلحت میں صحابہؓ سے ان کی رائیں معلوم بھی فرماتے، اور صحابہؓ اپنی رائے پیش بھی کرتے۔ اسی طرح صحابہؓ بعض اوقات عام امورِ مصلحت میں نبیؐ کے سامنے یہ بھی عرض کرتے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں اِقدام وحیِ الٰہی پر مبنی نہ ہو تو اس کی جگہ فلاں تدبیر زیادہ قرین مصلحت رہے گی، اور حضورؐ بعض اوقات ان کی رائیں قبول بھی فرما لیتے۔ اس آیت میں اس طرح کی باتوں کی نہی، نہیں ہے۔ حضورؐ نے خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ سب سے زیادہ لوگوں سے مشورہ لینے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی، جیسا کہ آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آلِ عمران : ۱۵۹) سے واضح ہے، آپ کو لوگوں سے مشورہ کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی۔

یہاں ممانعت اسی بات کی ہے۔۔۔ کہ کوئی شخص اللہ کے رسول کو عام آدمی یا مجرد ایک لیڈر سمجھ کر، اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مدبر خیال کر کے، بغیر اس کے کہ حضورؐ اس سے کسی معاملہ میں اس کی رائے دریافت کریں، حضورؐ کو اپنی رائے سے متاثر کرنے اور اپنی رائے کو حضورؐ کی بات پر مقدم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کا روّیہ دلیل ہے کہ وہ رسول کے اصلی مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے۔ اللہ کا رسول، اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے، اور وہ جو کچھ کہتا یا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کرتا یا کہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنے کی جسارت کرتا ہے، تو دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مقدم کرنا چاہتا ہے، درآنحالیکہ یہ چیز اس کے تمام ایمان و عمل کو ڈھا دینے والی ہے اگرچہ اس کو اس کا شعور نہ ہو۔

بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ و رسول کا معاملہ الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ کا رسول، اللہ کا سفیر و نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کو بن پوچھے مشورہ دینا خود اللہ تعالیٰ کو مشورہ دینا ہے، اس کی بات پر اپنی بات کو مقدّم کرنا اللہ کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنا ہے، اور اس سے بڑھ کر اپنے کو مدبر سمجھنا خود خدائے علیم و حکیم سے بڑھ کر اپنے کو مدبر و حکیم سمجھنا ہے۔ یہ آدمی کے اس روّیہ کے لازمی نتائج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کی بلادت کے سبب سے ان نتائج کا احساس نہ ہو لیکن ان کے لازمی نتائج ہونے سے انکار ناممکن ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، یہ ان لوگوں کو تنبیہہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ اور رسول سے زیادہ دانش مند اور مدبر ہونے کے خبط میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ سمیع و علیم ہے۔ وہ تمہاری ساری باتوں کو سن بھی رہا ہے اور ان کے پیچھے جو محرکات کام کر رہے ہیں ان سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے تو اس کا مکافاتِ عمل کا قانون لازماً ظہور میں آئے گا۔۔۔

اس آیت میں ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو بھی تنبیہہ ہے جو اسلام کی خدمت کے دعوے کے ساتھ اس کے اقدار کو مسخ اور اس کے قوانین کی تحریف کر رہے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ اور رسول نے جس شکل میں اسلام دیا ہے اس شکل میں وہ اس دور میں نہیں چل سکتا۔ ضروری ہے کہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ وہ شریعت کے احکام میں اپنی رائے کے مطابق ترمیم کر رہے ہیں۔ بس یہ فرق ہے کہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے ہی سے سبقت کر کے چاہتے تھے کہ اللہ و رسول کے آگے اپنے مشورے پیش کر دیں،

اس زمانے کے مدعیان اسلام کو یہ موقع نہ مل سکا' اس وجہ سے وہ اب ان غلطیوں کی اصلاح کررہے ہیں جو ان کے نزدیک اللہ و رسول سے "العیاذ باللہ" دین کے معاملے میں ہو گئی ہیں۔

(تدبر قرآن' ج ۷ ' ص ۴۸۶ - ۴۸۸)

تفہیم القرآن : سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

یہ ایمان کا اوّلین اور بنیادی تقاضا ہے۔ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول کو اپنا ہادی و رہبر مانتا ہو' وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسول کے فیصلہ پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے اور ان کے فیصلے بطور خود کر ڈالے۔ بغیر اس کے کہ اسے یہ معلوم کرنے کی فکر ہو کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان معاملات میں کوئی ہدایت دی ہے یا نہیں ' اور دی ہے تو وہ کیا ہے ؟ --- یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے۔ جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہو سکتی ہے' نہ ان کی عدالت اور نہ پارلیمنٹ --- اپنے اجتہاد پر کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ کو مقدّم رکھنا اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کرنا ہی وہ چیز ہے جو ایک مسلمان جج اور ایک غیر مسلم جج کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ اسی طرح قانون سازی کے معاملہ میں یہ بات قطعی طور پر متفق علیہ ہے کہ اولین ماخذِ قانون خدا کی کتاب ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ پوری امّت کا اجماع تک ان دونوں کے خلاف یا ان سے آزاد نہیں ہو سکتا' کجا کہ افرادِ اُمّت کا قیاس و اِجتہاد۔

(تفہیم القرآن' ج ۵ ' ص ۷۰ - ۷۱)